ڈاکٹر محمد ہارون عثمانی
ڈپٹی چیف لائبریرین
پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

اُردو افسانے کے فروغ میں مجلّہ ''مخزن'' کا کردار

This study reveals that the tradition of short story was set by the literary magazine 'Makhzan' in Urdu Literature. First ever Urdu short story "Naseer and Khadija" written by Allama Rashid ul Khairi was published in its December 1903 issue. So much so, first ever four short stories were also published in Makhzan. That is why the credit goes to 'Makhzan' for laying strong foundation of Urdu short story. 'Makhzan' did not flourish any particular trend in Urdu short story however, it promoted 'soft' romanticism against the 'hard' realism. It also published 1st ever Short Story Number in August/September 1929. 'Makhzan' is still alive in its 5th period as a research journal. Though, it does not publish creative works like poetry and fiction now, yet, the role played by this magazine during its first four periods for the development of Urdu short story is worth mentioning in golden words in the history of Urdu literature.

اردو میں داستان نویسی اور داستان گوئی کی روایت فارسی سے آئی جس نے مغرب سے درآمد شدہ صنف ناول کو راہ دکھائی۔ناول کے سفر کا اگلا پڑاؤ افسانہ ثابت ہُوا۔اردو افسانے کے اولین نقوش انیسویں صدی کے اواخر میں ملنے شروع ہوگئے تھے لیکن اس کا باضابطہ آغاز بیسویں صدی کے آغاز سے ہُوا۔دیگر بہت سی اصناف کے مانند افسانے کی صنف بھی اردو میں مغرب سے آئی۔اوّلین افسانوں کے تراجم میں ہمیں سجاد حیدر یلدرمؔ کے ترکی زبان سے کیے ہوئے ترجمے بھی ملتے ہیں۔

اردو کے پہلے افسانے اور افسانہ نگار کے حوالے سے ہمارے ناقدین اور مورخینِ افسانوی ادب کے تضاد کا شکار ہیں۔

وقار عظیم کے مطابق اردو کے سب سے پہلے افسانہ نگار پریم چند ہیں۔[1]

ڈاکٹر اسلم جمشید پوری لکھتے ہیں:

''پریم چند نے ،جنہیں بالاتفاق اردو کا اولین افسانہ نگار تسلیم کیا جاتا ہے،افسانے کو حقیقت پسندی کی مضبوط

و مستحکم بنیاد فراہم کی''۔۲

لیکن آگے جا کر جمشید پوری خود ہی اپنے بیان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں بھی سرسید کو اردو کا پہلا افسانہ نگار مانتا ہوں، جن کے بعض نصیحت آموز مضامین فنِ افسانہ نگاری کی کسوٹی پہ بہت حد تک کھرے اترتے ہیں۔ خاص کر ''گزرا ہُوا زمانہ'' کو افسانہ کہا جا سکتا ہے''۔۳

جبکہ مرزا حامد بیگ نے اپنی تحقیق میں ثابت کیا ہے کہ منشی پریم چند کا پہلا افسانہ ''عشق دنیا اور حُبِ وطن''، **زمانہ** کانپور بابت اپریل ۱۹۰۸ء میں چھپا اور اسے اردو کا پہلا افسانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔۴

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن نے سجاد حیدر یلدرم کو اردو کا پہلا افسانہ نگار قرار دیا ہے:

''مجھے یلدرم کے ایک قدیم تر افسانے ''نشہ کی پہلی ترنگ'' کا سراغ ملا ہے جو پہلی بار **معارف**، علی گڑھ (ایڈیٹر: مولوی وحید الدین سلیم) جلد ۴، نمبر ۳، شمارہ اکتوبر ۱۹۰۰ء (صفحہ ۱۲۰۔۱۲۳)، میں شائع ہوا اور تاثر کی وحدت، کردار کے ذہنی و نفسیاتی مطالعے، کشمکش، ابتدا، عروج اور انجام کے واضح تصور یا بہ لفظِ دگر اپنی ''افسانویت'' کے اعتبار سے بڑا موثر اور بھرپور ہے۔ یہ افسانہ **خیالستان** میں شامل نہیں لیکن بلاشبہ اب تک کے مطالعے کے مطابق اسے اردو کا اولین افسانہ کہا جا سکتا ہے''۔۵

ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی ڈاکٹر معین الرحمٰن کی تائید میں سجاد حیدر یلدرم کے افسانے ''نشہ کی پہلی ترنگ'' کو اردو کا پہلا افسانہ قرار دیتے ہیں۔۶ ڈاکٹر صغیرا فراہیم کی تحقیق بھی سجاد حیدر یلدرم اور پریم چند کے اولین افسانہ نگار ہونے تک محدود ہے۔۷ ڈاکٹر سہیل بخاری افسانے کو افسانچے کے نام سے موسوم کرتے ہوئے ''من سکھی اور سندر سنگھ کا قصہ'' از ماسٹر پیارے لال آشوب دہلوی تاریخ تصنیف ۱۸۶۹ء کو اردو کا پہلا طبع زاد افسانچہ مانتے ہیں۔۸ لیکن سہیل بخاری کے اس دعویٰ کو سندِ تائید کسی بھی نقاد یا مورخ سے نہیں مل سکی کیونکہ یہ قصہ تو ہو سکتا ہے لیکن افسانے کی ضرورت پوری نہیں کر پاتا ہے۔

دوسری طرف یلدرم کے افسانے ''نشہ کی پہلی ترنگ'' کے بارے میں تحقیق اب کسی ابہام کا شکار نہیں کہ یہ خلیل رشدی کے ترکی افسانے کا ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے واضح طور پر ثابت کیا ہے کہ یہ افسانہ ترجمہ تھا۔۹ اس بات کا ذکر ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر نے بھی کیا ہے۔۱۰

سرسیّد احمد خان کے مضمون ''گزرا ہُوا زمانہ'' کو کچھ محققین اردو کا پہلا افسانہ مانتے ہیں۔ اسے بھی ڈاکٹر حامد مرزا بیگ یکسر مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سرسیّد احمد خان کی یہ تحریر اپنے آغاز میں یقیناً افسانہ کہلانے کی مستحق ہے لیکن اس تحریر کا وسط اور اختتامیہ اسے واضح طور پر ایک اصلاحی مضمون بنا دیتا ہے۔ آغاز تمثیلی رنگ لیے ہوئے ہے۔ ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی کے ظاہر ہوتے ہی سرسید احمد خان کی اصلاح پسندی اس افسانوی آغاز کو اصلاحی مضمون کی طرف کھینچ لے جاتی ہے، جبکہ تحریر کا اختتامیہ تو ہے ہی اصلاحی مضمون کا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سرسید احمد خان کی

جملہ تحریروں میں فنِ افسانہ کی طرف پیش قدمی دکھائی نہیں دیتی۔زیادہ سے زیادہ تمثیل یا حکایت کی جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔یوں ''گزراہُوا زمانہ'' ان کی واحد تحریر ہے جو افسانہ بنتے بنتے رہ گئی۔۱۲

اسی دلیل کے تحت وہ مفتی غلام جعفر فرخ کی تحریر ''دوراستے''،مطبوعہ **مخزن** دسمبر ۱۹۰۱ء اور آفتاب احمد کی تحریر ''ایک چاندنی رات کا نظارہ:بہارِ کشمیر میں''،مطبوعہ **مخزن** جنوری ۱۹۰۲ء کو افسانہ ماننے سے انکاری ہیں۔۱۳ لیکن اگر ہم ڈاکٹر مسعود رضا خان کی تحقیق کو معتبر مان لیں کہ:

''۱۹۰۳ء میں **مخزن** میں راشد الخیری کا ''نصیراور خدیجہ'' شائع ہُوا جس کو اردو کا پہلا افسانہ سمجھا جاسکتا ہے۔چنانچہ ۱۹۰۳ء ہی سے اردو کے موجودہ طرز کے مختصر افسانہ کی ابتدا ہوئی ہے''۱۴

تو کریڈیٹ **مخزن** کو ہی جاتا ہے کہ اردو افسانے کی باقاعدہ ابتدا مخزن سے ہوئی۔''راشد الخیری کا افسانہ ''نصیر اور خدیجہ'' **مخزن** بابت دسمبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا تھا لیکن بات صرف یہاں تک محدود نہیں ہے۔ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی مرتب کردہ اردو کے اولین افسانے ۱۹۰۳ء۔۱۹۱۴ء کے مطابق اردو کے پہلے چار افسانے **مخزن** ہی میں چھپے۔۱۵

نصیراور خدیجہ از راشد الخیری	**مخزن** لاہور	دسمبر ۱۹۰۳ء
چھاؤں از علی محمود	**مخزن** لاہور	جنوری ۱۹۰۴ء
تصویرِ غم از دردمند اکبرآبادی	**مخزن** لاہور	فروری ۱۹۰۴ء
ایک پرانی دیوار از علی محمود	**مخزن** لاہور	اپریل ۱۹۰۴ء

اردو کے اوّلین افسانہ نگار علامہ راشد الخیری کا جو **مخزن** میں محمد عبدالرشید چشتی اور محمد عبدالرشید کے نام سے بھی لکھتے رہے، **مخزن** کے افسانوں میں ایک بڑا حصہ ہے۔مخزن میں چھپنے والے ان کے افسانوں کی فہرست پر نظر ڈالیں تو درج ذیل افسانے نظر آتے ہیں۔

۱۔	نصیر اور خدیجہ	دسمبر ۱۹۰۳ء
۲۔	بدنصیب کا لال	اگست ۱۹۰۵ء
۳۔	کثرتِ ازدواج	دسمبر ۱۹۰۵ء
۴۔	دارالغرور	جون ۱۹۰۶ء
۵۔	عصمت اور حسن	اپریل ۱۹۰۷ء
۶۔	عصمت اور حسن	مئی ۱۹۰۷ء
۷۔	رویائے مقصود	اکتوبر ۱۹۰۷ء
۸۔	ملکۂ محبت	مئی ۱۹۰۹ء
۹۔	سارس کی تارک الوطنی	اگست ۱۹۰۹ء
۱۰۔	سارس کی تارک الوطنی	ستمبر ۱۹۰۹ء

۱۱۔ دیور بھاوجوں کی خط و کتابت فروری ۱۹۱۰ء

۱۲۔ ریحانہ جون ۱۹۱۰ء

۱۳۔ چوری کا الزام جنوری ۱۹۱۸ء

علامہ راشد الخیری کا پہلا افسانہ ''نصیر اور خدیجہ'' خط کی تکنیک میں لکھا افسانہ ہے۔اردو کے اس پہلے افسانے کی تخلیق کی دلچسپ داستان رزّاق الخیری نے یوں بیان کی ہے:

''کہانیاں لکھنے کی ترغیب حقیقت میں بی بی رشید الزمانی نے اپنے بیٹے کو دی۔کہتیں'' ابی میاں تم کہانیاں کیوں نہیں لکھتے'' اور پھر وہ کہانیاں سناتیں کہ یہ لکھو۔ایک دن ماں نے دو پیسے کی کاپی ایک پیسے کی پنسل منگا کر کہالو اب تم کہانی لکھو۔ بیٹے نے کہا کیا لکھوں؟ کہا اچھا میں تمہیں ایک قصہ سناتی ہوں۔چنانچہ انھوں نے دو یتیم بچیوں کا قصہ سنایا جن کے ماموں نے ان کی طرف سے سخت لاپرواہی برتی اور خالہ نے بھائی کو خط لکھا کہ ان پر رحم کرو۔یہ قصہ سُن کر کہانی ایک خط کی صورت میں لکھی اور **مخزن** لاہور کو بھیج دی۔

اس زمانہ میں معیاری ادبی رسائل برصغیر میں دو تین ہی تھے اور ان میں اردو کا **مخزن** بہت ممتاز تھا۔سر عبدالقادر مرحوم جو اس وقت شیخ عبدالقادر تھے اس کے اڈیٹر تھے۔۱۹۰۳ء کے **مخزن** میں علامہ مغفور کا یہ افسانہ بصورت خط شائع ہُوا تھا اور اس کا عنوان تھا۔'' نصیر اور خدیجہ''۔ ۱۶

شیخ عبدالقادر نے یہ افسانہ **مخزن** بابت دسمبر ۱۹۰۳ء میں شائع کیا تو ادارتی نوٹ میں اسے مضمون قرار دیا۔ لکھتے ہیں:

'' یہ مضمون مدت کے تقاضوں کے بعد ہمیں اپنے دوست مولوی محمد عبدالرشید صاحب مترجم عدالت بندوبست سے ملا ہے۔صاحب موصوف جناب شمس العلماء مولانا حافظ نذیر احمد دہلوی کے عزیزوں میں ہیں اور زبان پر خوب قدرت رکھتے ہیں ۔چنانچہ مولوی نذیر احمد صاحب کی لاجواب کتابوں کے بعد مولوی عبدالرشید صاحب کی کتاب **منازل السائرہ** اپنی قسم کی ایک کتاب ہے جس میں مستورات کی زبان اس خوبی سے لکھی گئی ہے ۔ اس مضمون میں بڑی بہن (خدیجہ) اپنے بھائی (نصیر) کو خط لکھتی ہے ۔اور دوسری مری ہوئی بہن کے بچوں کی خراب حالت کی طرف اس کی توجہ دلاتی ہے۔خط اس بے ساختہ پن سے لکھا گیا ہے کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے''۔ ۱۷

خط کی تکنیک علامہ راشد الخیری نے متعدد افسانوں میں استعمال کی ہے بلکہ ان کے افسانوں کا ایک مکمل مجموعہ بھی **مسلی ہوئی پتیاں** خط کی تکنیک میں لکھے افسانوں پر مشتمل ہے ۱۸ **مخزن** میں راشد الخیری کے خط کی تکنیک میں دو مزید افسانے چھپے۔**مخزن** بابت دسمبر ۱۹۰۵ء میں ''کثرتِ ازدواج'' اور **مخزن** بابت فروری ۱۹۱۰ء میں ''دیور بھاوجوں کی خط وکتابت'' خط ہی کی تکنیک میں لکھے افسانے ہیں۔''کثرت ازدواج''، جو علامہ راشد الخیری کے افسانوں کے مجموعہ **قطرات اشک** میں ''ایک مظلوم بیوی کا خط'' کے عنوان سے چھپا، ۱۹ مرزا حامد بیگ ۲۰ اور ڈاکٹر انوار احمد ۲۱ نے

نشان دہی کی ہے کہ یہ افسانہ **مخزن** ۱۹۰۸ء میں چھپا۔مہینے کے بارے میں دونوں اصحاب خاموش ہیں۔اصل میں دونوں اصحاب کی معلومات کا ماخذ **عصمت** کراچی سالگرہ نمبر۱۹۶۴ء ہے جس میں ''کثرتِ ازدواج'' **مخزن** ۱۹۰۸ء میں چھپنے کا لکھا ہے۲۲ یہ افسانہ **مخزن** بابت دسمبر۱۹۰۵ء میں (صفحہ ۱۰۔۱۸) شائع ہوا تھا۔غالباً دونوں اصحاب میں سے کسی کو بھی **مخزن** کا یہ شمارہ میسر نہ ہوا۔

''کثرتِ ازدواج'' میں دکھایا ہے کہ مرد دوسرا نکاح کر کے پہلی بیوی کی طرف سے کس بے حسی سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔''عصمت وحسن''،مطبوعہ **مخزن** اپریل ومئی ۱۹۰۷ء ایک غریب مگر شریف خاندان کی لڑکی کی شادی بڑی مشکل سے ایک ریاست کے والی کے بیٹے سے ہوتی ہے،مگر چار بچوں کے بعد جب اس کا شوہر ریاست کا مالک بنتا ہے تو اپنی بیوی سے آنکھیں پھیر کر بازاری عورت کے چکّر میں آجاتا ہے۔سلمٰی کے تین بچے مرجاتے ہیں،ایک لڑکے اسلم کو لے کر ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں آجاتی ہے جہاں بچہ دم توڑ دیتا ہے اُسی وقت سوتیلی ماں محل میں اپنے بچے کی چھٹی پر اشرفیاں لٹا رہی ہوتی ہے۔

یہ افسانہ راشد الخیری کی مخصوص غم نگاری کا مرقع ہے۔اس افسانے کے بارے میں بھی ڈاکٹر مرزا حامد بیگ ۲۳ نے رسالہ **عصمت** کے سالگرہ نمبر۱۹۶۴ء کی معلومات پر بھروسا کیا ہے جس کے مطابق یہ افسانہ ۱۹۰۶ء کے **مخزن** میں شائع ہوا تھا۔البتہ حامد بیگ صاحب نے اردو کے اوّلین افسانوں کی فہرست میں عصمت وحسن کا سنہ اشاعت درست یعنی ۱۹۰۷ء ہی لکھا ہے۔۲۵ لیکن مرزا حامد بیگ کا یہ دعویٰ کہ ''عصمت وحسن'' خط کی تکنیک میں لکھا ہوا افسانہ ہے ،درست نہیں۔۲۶ علامہ راشد الخیری کے **مخزن** میں چھپنے والے دیگر افسانوں میں بھی موضوعات ،تکنیک اور اسلوب کا تنوّع موجود ہے۔''بدنصیب کا لعل''،مطبوعہ **مخزن** اگست ۱۹۰۵ء میں غم کا تاثر گہرا ہے جبکہ ''رویائے مقصود'' مطبوعہ **مخزن** اکتوبر ۱۹۰۷ء میں غم نگاری کے ساتھ ساتھ ظرافت کی ہلکی سی چاشنی ہے اور یہ پہلا افسانہ تھا جس میں ایک مغرب زدہ شخص کی زندگی کے کچھ پہلوؤں کو مزاحیہ انداز میں پورٹریٹ کیا گیا تھا۔

> ''مقصود۔(پی چکنے کے بعد) میں اَب جانا چاہتا ہوں!میری طبیعت خراب ہوگئی۔مقصود کو شراب پینے کا آج پہلا اتفاق تو تھا ہی نہیں۔ماشاء اللہ عمر اِسی میں گذری تھی مگر خدا معلوم فلپ نے کیا ستم کیا کہ ایک ہی پیگ میں حواس باختہ ہوگیا!چکر آئے جی متلایا،قے ہوئی،نشہ تھا کہ اور زیادہ ہوا:جانے لگا تو برآمدہ میں سپوٹ (بلڈاگ) راتب کھا رہا تھا:ویل ویل کہتا ہوا جو اس پر جُھکا تو دھڑام سے اوپر گر پڑا:اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں کہ کتا بلڈاگ تھا مگر یہ خدا ہی جانے کہ بلڈوگیّت کی وجہ سے یا یہ سمجھ کر کہ مقصود میرے راتب میں حصہ بٹائے گا،سپوٹ بگڑ گیا!وہ تو یہ خیر ہوئی مسٹر فلپ ساتھ تھے کتے کو سمجھا بجھا کر الگ کیا اور مقصود کو اٹھا اٹھوا کر گاڑی میں لائے ورنہ شراب کا پورا ہی مزا آجاتا''۔۲۷

اسی طرح ''سارس کی تارک الوطنی'' مطبوعہ **مخزن** اگست وستمبر ۱۹۰۹ء میں جانوروں کی زبانی انسانی مظالم کی داستانیں سنائی گئی ہیں۔

علامہ راشد الخیری کے علاوہ **مـخـزن** کے صفحات پر جن نمایاں افسانہ نگاروں کے فن پارے جگمگائے ان میں پنڈت ہری چند اختر ، قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی، سید ابوظفر، امین الرحمٰن، میاں ایم اسلم، بدر الدین بدر، انور جلال ، پطرس بخاری، سید امتیاز علی تاج، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، سلطان حیدر جوش، عبدالرحمٰن چغتائی، حامد علی خاں، ابوالاثر حفیظ جالندھری، پروفیسر حمید احمد خاں، سید ذوالفقار علی بخاری، مولوی سید علی سجاد دہلوی، سید سرور عالم مارہروی، مرزا سلطان احمد، حکیم احمد شجاع، پنڈت شیونرائن شمیم ، عاشق بٹالوی، خواجہ عبدالوحید، عبداللہ چغتائی، عرفی دہلوی، عزیز احمد، علی عباس جلال پوری، غلام عباس، سید ناصر نذیر فراق دہلوی، ونگ کمانڈر سید فیاض محمود، آغا شاعر قزلباش دہلوی، لالہ کنور سین، خواجہ لطیف احمد، مجید ملک، ڈاکٹر محمد باقر، محمد شمس الدین صدیقی، مولوی سید مقبول احمد، ضیا الملک ملا رموزی، خواجہ منظور حسین دہلوی، سید عزیز الدین نیاز فتح پوری، سید غلام بھیک نیرنگ، سجاد حیدر یلدرم، سید یوسف محمود، وقار انبالوی کے اسما گنوائے جاسکتے ہیں۔

علامہ راشد الخیری کے متوازی جس شخص نے اردو افسانے کے فروغ میں اہم حصہ ڈالا وہ سجاد حیدر یلدرم تھے۔اگر چہ یلدرم کے اکثر کام پر ترجمہ نگاری کی چھاپ ہے لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر کی یہ بات کافی وقعت رکھتی ہے کہ:

'' تاہم ہمارے خیال میں اردو ادب میں افسانہ ومختصر کہانی کو متعارف کروانے میں ۱۹۰۸ء تک شائع ہونے والی یلدرم کی ترجمہ شدہ کہانیوں کا حصہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے''۔۲۸

ان کے تراجم **مخزن** کی زینت بنے لیکن ساتھ کے ساتھ ان کے طبع زاد افسانے بھی **مخزن** میں چھپے۔جن میں ''حضرت دل کی سوانح عمری'' (**مـخـزن** دسمبر ۱۹۰۴ء)،''چڑیا چڑے کی کہانی'' (**مـخـزن** اپریل ۱۹۰۷ء)،'' حکایت لیلیٰ مجنوں'' (**مـخـزن** اکتوبر ۱۹۰۷ء، اپریل ۱۹۰۸ء اور مئی ۱۹۰۸ء)،''دوست کا خط'' (**مـخـزن** اکتوبر ۱۹۰۶ء)،''اگر میں صحرا نشین ہوتا'' (**مخزن** دسمبر ۱۹۰۷ء) ''سیلِ زمانہ'' (**مخزن** اکتوبر ۱۹۰۶ء)،اور'' آہ یہ نظریں'' (**مخزن** دسمبر ۱۹۰۹ء) شامل ہیں۔

یلدرم اعلیٰ پائے کے افسانہ نگار تو نہیں لیکن ان کی ابتدائی کوششوں کو ہم اردو افسانے کے ابتدائی نقوش ضرور قرار دے سکتے ہیں۔

''سیلِ زمانہ'' میں سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

'' تجھ میں جو خوشنما ہرے، بھرے جزیرے نظر آتے ہیں، جو پھولوں اور پھلوں سے مالا مال ہیں، جن میں خوبصورت پرند چہچہا رہے ہیں، کیا یہی لذائذ حیات ہیں؟ وہ حسین سحر کار عورتیں، جو ہاتھ میں ستار لیے دلرُبا گانے گا رہی ہیں اور جادو بھری نظریں ڈال ڈال کر مجھے اپنی طرف بلا رہی ہیں ،کیا یہی جوانی کی امنگیں ہیں؟۲۹

یلدرم کا اسلوب یقیناً سحر انگیز ہے جس میں سے رومانوی لہریں یوں بلند ہوتی ہیں گویا پُرسکون سمندر میں ہلکی سی ہَوا چل رہی ہو۔''سیلِ زمانہ'' کے حوالے سے ناہید عباس زیدی لکھتی ہیں:

''سیلِ زمانہ'' بھی حقیقی زندگی سے بیزاری کا مظہر ہے اور اپنے آپ کو زندگی کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے، سپر ڈال دینے کی ایک واضح مثال بھی ہے''۔۳۰

یلدرم کا افسانہ'' حکایتِ لیلیٰ مجنوں'' تین اقساط میں **مخزن** کے شماروں بابت اکتوبر ۱۹۰۷ء اپریل و مئی ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔اس افسانے کو امتیاز ندیم نے اپنے اشاریہ **مخزن** میں ناول گردانا ہے ۳۱ جبکہ یہ افسانہ ہی ہے:

''یہ کہانی اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ روایتی عاشق، قیس نجد کو، جدید زمانے میں دکھایا گیا ہے۔قاری قدیم روایتی کردار کو جدید زمانے کی زندگی اور ماحول میں دیکھ کر پُر لطف کیفیت سے دوچار ہوتا ہے''۔۳۲

''حکایتِ لیلیٰ مجنوں'' میں شگفتگی اور شائستگی دونوں موجود ہیں۔نمونہ پیشِ خدمت ہے۔

''تھوڑی دُور گیا ہوگا ،کہ بائیسکل کی گھنٹی بگڑ گئی،اس کو پریشانی تھی کہ بغیر گھنٹی کے کس طرح گذارا ہوگا۔سڑک پر چھکڑے ،اونٹ ،گائے،بھینس قطار در قطار ملتے تھے،اگر گھنٹی یا بلوانگ ہورن نہ ہوا تو بائیسکل چلانا قطعاً غیر ممکن ہوگا،کہ اتنے میں ایک گاؤں والا نظر پڑا جو ٹوکرے میں چند بطخوں کو رکھے لیے جارہا تھا۔بطخوں کی قیں قاں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔دیوانہ بکار خویش ہشیار،قیس کو فوراً ایک ترکیب سوجھی! گاؤں والے کو آواز دے کر ٹھہرا لیا اور اس سے بطخوں کا ٹوکرا خرید کر ہنڈل پر باندھ لیا۔قیں ،قاں،قیں،قاں،قیں قیں قیں،راستہ میلوں تک صاف تھا''۔۳۳

اگرچہ یلدرم کے ہاں رومانویت اور شگفتگی ان کے افسانوں کی نمایاں خوبی گنی جاتی ہے لیکن جیسا کہ سطور ماقبل میں ذکر ہوچکا ہے۔یلدرم بنیادی طور پر مترجم تھے اور شاید اسی وجہ سے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

''اس لیے یلدرم کا مقام ایک مترجم کی حیثیت سے متعین ہونا چاہیے نہ کہ ایک طبع زاد لکھنے والے کی حیثیت سے،چند افسانوں کی بنا پر انھیں کیسے ان افسانہ نگاروں میں شامل کیا جاسکتا ہے جنھوں نے اردو افسانہ میں واقعی قابلِ قدر اضافے کیے ہیں اس پر طرّہ یہ کہ انھیں رومانی، جمالیاتی اور نہ جانے کیا کچھ قرار دیا جاتا ہے۔ایم اے اردو کے نصاب میں خیالستان کی شمولیت کا یہ مطلب نہیں کہ یہ واقعی بڑے افسانہ نگار بھی بن گئے ہیں''۔۳۴

یلدرم بلاشبہ بڑے افسانہ نگار نہیں تھے لیکن ان کا افسانے کی ابتدا میں اپنے تراجم اور طبع زاد افسانوں کے ذریعے سے ادا کردہ کردار کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔اور اس کے لیے پلیٹ فارم **مخزن** نے پیش کیا۔

علامہ راشد الخیری،سجاد حیدر یلدرم اور پریم چند(جن کی حیرت انگیز طور پر کوئی تحریر **مخزن** میں شائع نہیں ہوئی) کے ساتھ جس افسانہ نگار نے اردو افسانے کے آغاز میں اپنے فن سے اس صنف کو بنیاد فراہم کی وہ سلطان حیدر جوش ہیں۔قاضیہ الماس فاطمہ اپنے مقالے میں لکھتی ہیں۔

''اردو افسانے کے اس ابتدائی دَور میں راشد الخیری ،پریم چند،سجاد حیدر یلدرم کے علاوہ سلطان حیدر جوش بھی اہم افسانہ نگاروں میں شامل ہیں''۔۳۵

سلطان حیدر جوش کے افسانوں میں تکنیک کا تنوع موجود ہے لیکن ان میں اصلاح پسندی کی شدت نے اس کے افسانوں کو طنز یہ کاٹ عطا کی تو ان کی پہچان طنزیہ لہجہ ہی بن گیا۔دوسری طرف بقول ڈاکٹر مرزا حامد بیگ جوش کے افسانوں کا لینڈسکیپ بدایوں اور اس کا مضافاتی علاقہ ہے۔۳۶ ان کے ہاں ہندوانہ تبلیغی جذبوں کے خلاف ردِعمل نے ناصحانہ خطاب کی شکل اختیار کرلی تو افسانے کی روح متاثر ہوئی۔

مخزن میں سلطان حیدر جوش کے افسانوں میں تائیدِ غیبی (**مخزن** ستمبر ۱۹۱۱ء)،فرقِ مراتب (**مخزن** نومبر ۱۹۱۸ء) اور ''نابینا بیوی'' (**مخزن** دسمبر ۱۹۰۷ء)، کے علاوہ چھ اقساط میں افسانہ انقلاب (**مخزن** اپریل تا ستمبر ۱۹۰۹ء) شائع ہوئے۔انقلاب کے حوالے سے کنیز رابعہ کا تجزیہ کچھ یوں ہے:

''انقلاب میں جوش صاحب اس بات کی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ شادی کے بعد جب نئی دلہن گھر میں آتی ہے تو وہ نئی صورتیں دیکھتی ہے اور نئی باتوں سے سابقہ پڑتا ہے۔اسے جس طرح سدھایا جائے جس طرف لگایا جائے وہ لگ جائے گی۔دلہن کی صحیح رہنمائی کرنا اس کے شوہر کا فرض ہے۔وہ جس طرح چاہے گا اس کی بیوی اس روش پر چلے گی۔اگر وہ غلطیاں کرتی ہے تو اس کا ذمہ دار اس کا شوہر ہے جس نے اس کے خیالات کو سنوارنے کی کوشش نہیں کی''۔۳۷

لڑکیوں کی مختلف اقسام ہیں۔تند مزاج ،بدسلیقہ جبکہ اس کے مقابلے میں انتہائی سگھڑ اور سلیقہ مند لڑکیاں بھی ہیں جو شادی کے بعد سسرال اور شوہر کا دل جیت لیتی ہیں۔انقلاب کی تیسری قسط مطبوعہ **مخزن** ۱۹۰۹ء میں جوش ایک ایسی ہی لڑکی زبیدہ کا قصہ بیان کرتے ہیں جس نے خدمت کے ذریعے عظمت حاصل کی۔اس نے گھر والوں کا خلوص اور محبت حاصل کرنے کے لیے اطاعت اور خدمت کا سہارا لیا۔جوش لکھتے ہیں۔

''انسان کیسا ہی تند خُو،بد مزاج ہومگر اطاعت وخدمت ایک ایسی چیز ہے جو کسی نہ کسی دن ہمیشہ کے لیے اس کا سر جھکوالیتی ہے،اور وہ،روئی پر پڑنے والی تلوار کی طرح اپنی بدخوئی سے ہاتھ دھوتا ہے اور بالکل دھوتا ہے''۔۳۸

اس افسانے کو پڑھ کر ڈپٹی نذیر احمد کے ناول مراۃ العروس کی اصغری اکبری کی کہانی بھی ذہن میں آجاتی ہے۔جس سے دونوں کے درمیان اصلاح پسندی کی قدر مشترک ہوجاتی ہے۔

سید ناصر نذیر فراق دہلوی کا بطور افسانہ نگار شاید اب کوئی نام نہ ہو کیونکہ:۔

''خواجہ ناصر نذیر کے افسانوں کو فن کے جدید نقطہء نظر سے تو افسانہ کہنے میں بھی ہچکچاہٹ پیدا ہوتی ہے کیونکہ ان کے افسانوں میں کہانی کے قدیم اسلوب اور تاریخ کا امتزاج ہے جس نے زبان کی لطافت کے ساتھ شامل ہوکر دلچسپی کا سامان پیدا کردیا ہے''۔۳۹

لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خواجہ حسن نظامی کے بعد دہلی کے گمشدہ ایام کی تصویر کشی سب سے زیادہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی نے کی۔دہلی کا محاورہ اور زبان کی چاشنی اس پر مستزاد۔ڈاکٹر انتظار مرزا لکھتے ہیں۔

''حکیم سید ناصر نذیر فراق دہلی کے اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جہاں اردو ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھی روزمرّہ،محاورہ اس خاندان کے دم سے زندہ تھا۔زبان وبیان کی درستگی ان کی چوکھٹ پر ہوتی تھی''۔[۴۰]

انھی فراق دہلوی نے لکھنے کا آغاز **مخزن** سے کیا اور ان کی متعدد تحریریں **مخزن** کے صفحات میں موجود ہیں۔فراق دہلوی کے درج ذیل افسانے **مخزن** کا حصہ بنے: ''اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے''(**مخزن** اکتوبر ۱۹۱۶ء)، ''ٹراجے ڈی Tragedy'' (**مخزن** جولائی وستمبر ۱۹۱۴ء)، ''رانی روپ سنگھار''(اگست وستمبر ۱۹۱۰ء)، ''شادی ءمرگ'' (**مخزن** اپریل و جولائی ۱۹۱۴ء)، ''شہید جفا''(**مخزن** جنوری ۱۹۰۹ء)، ''کالی بلا''(**مخزن** ستمبر ۱۹۱۳ء)'' گھن کا کیڑا''(**مخزن** فروری ومارچ ۱۹۱۴ء)، ''لاڈلی بیگم''(**مخزن** دسمبر ۱۹۱۳ء ،جنوری ۱۹۱۴ء)، ''لچھمی دیوی'' (**مخزن** دسمبر ۱۹۱۵ء)، ''ملا نے نواز''(**مخزن** مارچ ۱۹۱۶ء)، ''وزیر اور فقیر''(**مخزن** اپریل ومئی ۱۹۱۳ء)۔

فراق دہلوی اپنے افسانوں میں ایک طلسماتی فضا بھی پیدا کرتے تھے جس میں دہلی کی زبان اور محاورہ کا تڑکا اس افسانے میں دلچسپی کا عنصر پیدا کر دیتا تھا۔''لاڈلی بیگم'' ایک ایسا ہی افسانہ ہے جس کا تانا بانا پندرھویں صدی عیسوی کے دہلی میں بُنا گیا ہے۔''لاڈلی بیگم'' ایک بدمزاج اور بدخُو عورت ہے جو اپنے سسرال اور شوہر کا جینا حرام کر دیتی ہے۔پہلے شوہر کو لے کر علیحدہ ہوجاتی ہے۔پھر خاوند کو گھر سے نکال دیتی ہے کہ کچھ کما کر لاؤ۔شوہر گھر سے نکل کر دہلی کے مضافات میں ایک مزار پر ٹھہرتا ہے جہاں اسے چیل کے روپ میں ایک جن اپنا ملازم رکھ لیتا ہے۔اسے روز کی دو اشرفیاں ملتی ہیں لیکن کام کوئی نہیں۔اس کے باوجود لاڈلی بیگم کا مزاج بگڑا ہی رہتا ہے۔یوں سال گزر جاتا ہے۔اس دوران پانی پت کے میدان میں بابر اور ابراہیم لودھی کی جنگ ہوتی ہے۔لودھی ہار جاتا ہے۔شوہر کا آقا اسے کام بتاتا ہے کہ پانی پت میں پڑی لاشوں میں ایک انسان کی لاش ہے جس کا دل نکال کر لانا ہے اور اسے اپنا ایک پر بھی دیتا ہے جس سے انسان تلاش ہوسکے۔یہ عینک نما پر لگا کر اسے انسانوں کی جگہ جانوروں کی لاشیں دکھائی دیتی ہیں جن میں صرف ایک انسان کی لاش ہوتی ہے وہ دل نکال لاتا ہے۔لیکن اسکا خون اس کی روٹیوں پر لگ جاتا ہے تو خاوند کو چھپی ہوئی چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں،خزانے وغیرہ اور وہ اپنی بیوی کی اصلیت بھی جان لیتا ہے،اسے طلاق دیتا ہے۔نئی شادی کرتا ہے مگر آقا کی دی ہوئی عینک صندوقچے میں سے رکھی ہوئی غائب ہوجاتی ہے حالانکہ قفل لگا رہتا ہے واہ رے طلسمات۔دہلی کے زبان و بیان کا چٹخارہ لینے کے لیے ایک اقتباس پیش ہے:۔

> ''لاڈلی بیگم(مٹھائی اور پھولوں کا نام سن کر اور آگ بگولہ ہوکر) اچھا میرے ساتھ بیر باندھا ہے۔میں نے اوّل دن سے جتا دیا ہے کہ مجھے نزلے کا دکھڑا ہے۔آئے دن کھانسی رہتی ہے۔مٹھائی کا بھورا حلق سے نیچے اترا اور چتوں کا زور ہوا۔قے کرتے کرتے باولی بن جاتی ہوں۔مگر جب دیکھو مٹھائی کی ٹوکریاں اور پھولوں کچنگیریں چلی آتی ہیں۔یا اللہ پھول مٹھائی دتی کے پردے سے ناپید ہوجائیں تمہاری اماں، بھینا کی پھول مٹھائی پر رال ٹپکتی ہے انہی کو جا کر دو۔وہ اپنے دھڑ میں ڈال کر خوش ہوں گی۔موئی چیونٹیاں۔ کھیاں''۔[۴۱]

سید امتیاز علی تاج کو ان کے ڈرامے انارکلی نے لازوال شہرت بخشی۔دوسری طرف ان کا مزاحیہ کردار چچا چھکن انھیں اردو کے مزاحیہ ادب میں بھی اہم مقام دلا گیالیکن ان کی ایک اور جہت ہے جس کی طرف بہت کم ناقدین و محققین کی توجہ ہوئی ہے۔وہ افسانہ نگاری ہے۔ڈاکٹر محمد سلیم ملک لکھتے ہیں:

> ''سید امتیاز علی تاج عنفوانِ شباب میں افسانے لکھنے لگے۔یہ بیسویں صدی کے اوائل کا زمانہ تھا جب اردو میں رومانیت کا چرچا تھا۔علامہ اقبال کی فطرت پرستی اور پریم چند کی ماضی پسندی،ادیبوں کو جذبے اور احساس کی طرف متوجہ کررہی تھی۔آسکر وائلڈ اور ٹیگور کے ترجمے،تخیل کی ان دیکھی دنیا کی سیر کراتے تھے:اور مخزن ،ہمایوں اور نقاد کے مضامین نثرِ لطیف کا پرچار کرتے تھے،اس لیے تاج نے افسانوں میں اپنے شباب کی شوریدہ سری گوندھ کر رکھ دی اور رومانیت کے تیز رنگ ملا دیئے''۔[۴۲]

مخزن میں افسانوں کے تراجم کے ساتھ ساتھ امتیاز علی تاج کے طبع زاد افسانے بھی چھپے۔عنفوانِ شباب اور **مخزن** کے پلیٹ فارم نے تاج کے فنِ افسانہ نگاری کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔اس رومانیت سے بھرپور فضا نے تاج سے ایسے کردار تخلیق کروائے جو محبت کے مدار میں گردش کرتے تھے۔جن میں چڑھتی عمروں کے جذبات اور نوخیزی کا بانکپن تھا۔جو''بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق'' کی تعبیر تھے۔ذرا دیکھیے کہ''کہسار کی رقاصہ''میں جب رقاصہ مدہوش ہوکر ناچتی ہے تو اس کی خواہشات کی منہ زور لہریں کس ساحل سے جا کر ٹکرائیں؟ اسے قطعاً سمجھ نہیں آتی۔بس وہ ناچتی رہتی اور پھر:

> اس کے تناسب حسن کے دل کش انداز فضا میں اپنے غیر فانی نقش چھوڑ چھوڑ جاتے تھے۔یہاں تک کہ چاند کی دل فریب خاموشی اور رات کی سنسان ساعتیں۔اس کے رقص سے معمور ہوجاتیں۔یہاں تک کہ نقرئی روشنی اور شگفتہ پھول، شفاف پانی اور معطر فضا سب اس کے ناچ کے خمار سے چُور ہوجاتے تھے اور پھر جب اس کے رقص کا طوفان اترتا اُترتا اسے پھولوں کے ڈھیر پر بے حس وحرکت پڑا ہوا چھوڑ جاتا تو اس بلا کے سکوت میں معلوم ہوتا تھا کہ اس کا رقص ہنوز بیدار ہے اور وہ پھولوں کے کھِلنے ،چاند کی روشنی کے زمین پر اترنے ،ندی کے محوِ خواب پانی کے بہکنے میں ایک ہلکی آواز ایک مدھم موسیقی پیدا کررہا ہے''۔[۴۳]

مخزن میں تاج کی افسانہ نگاری کے متعدد نقش دفن ہیں جنھیں آشکار کرنا ضروری ہے۔ڈاکٹر سلیم ملک نے اپنے مقالے میں امتیاز علی تاج کے بیس افسانوں کی فہرست دی ہے۔[۴۴] جن میں سے **مخزن** میں چھپے ہوئے صرف تین افسانے ہیں لیکن ہماری فہرست کے مطابق یہ تعداد آٹھ ہے:

۱۔ انجامِ فریب	مخزن اگست ۱۹۱۷ء	۴۶
۲۔ شہاب وثریا	مخزن مارچ ۱۹۱۸ء	۳
۳۔ آئینۂ کائنات	مخزن مئی ۱۹۲۱ء	۲۲
۴۔ کہسار کی رقاصہ	مخزن جولائی ۱۹۲۱ء	۳۳

۵۔	گلابی ساڑی	مخزن اگست ۱۹۲۱ء	۱۸
۶۔	سنجوگ	مخزن جنوری ۱۹۲۲ء	۹
۷۔	ٹھاٹھ	مخزن دسمبر ۱۹۲۷ء	۹
۸۔	وہ بدمعاش مَرن	مخزن نومبر ۱۹۲۷ء	۹

ڈاکٹر گوھر نوشاہی کی مولفہ تاج کی شخصیت اور فن پر کتاب میں تو تاج کے طبع زاد افسانوں کا ذکر تک نہیں ہے۔[۴۵]
تاج کی اس جہت کی پرورش **مخزن** نے کی۔

حکیم احمد شجاع کی وجہ شہرت میں جہاں ڈرامہ نگاری اور مضمون نگاری شامل ہیں وہیں '' لاہور کا چیلسی''، میں انھوں نے لاہور کی ادبی فضا کی وہ منظر نگاری کی ہے کہ انسان خود کو اُسی فضا کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔لیکن حکیم صاحب کی ایک جہت افسانہ نگاری بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔**مخزن** نے بھی ان کی افسانہ نگاری سے استفادہ کیا۔ان کا افسانہ'' طوفانِ آرزو'' **مخزن** ستمبر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا تو اس کے ساتھ یہ ادارتی نوٹ بھی چھپا:

> کسی گذشتہ نمبر میں ناظرینِ مخزن سے ہم اپنے دوست ادیب لبیب حکیم احمد شجاع صاحب بی۔اے (علیگ) کا تعارف کرا چکے ہیں۔ذیل کا دل کش افسانہ حکیم صاحب موصوف کا چکیدۂ قلم ہے۔انڈین ڈرامہ کی جب کبھی تاریخ لکھی جائے گی آپ کا نام اس میں جلی حروف سے لکھا جائے گا۔آپ کی عمر کا ایک معتدبہ حصہ یورپین ڈراموں کے مطالعہ پر صرف ہوا ہے۔پبلسٹی کمیٹی پنجاب نے آپ سے گزشتہ جنگ یورپ پر ایک بے مثل ڈرامہ لکھوایا ہے۔ جو عنقریب منظرِ عام پر آئے گا۔مندرجہ ذیل افسانہ ابھی ناتمام ہے اس کی دلچسپیوں کی تکمیل اس کی تکمیل پر منحصر ہے۔خدا کرے صاحب موصوف اس کی تکمیل میں عدیم الفرصتی کا شاخشانہ نہ لگادیں''۔[۴۶]

لیکن مدیرِ **مخزن** اور قارئینِ **مخزن** کو اس افسانے کی تکمیل کے لیے کافی ماہ انتظار کرنا پڑا۔اس افسانے کی دوسری قسط ''محبت کی تلاش'' کے عنوان سے دو اقساط میں مئی اور جولائی ۱۹۲۰ء کے شماروں میں چھپی[۴۷]مئی کے شمارے میں اس پر ادارتی نوٹ میں لکھا گیا:

> ستمبر ۱۹۱۹ء میں جناب حکیم احمد شجاع صاحب بی اے کے قلم سے ایک دلچسپ قصہ طوفانِ آرزو کے عنوان سے زیب اوراق **مخزن** ہوا تھا۔اب اس قصہّ کی دوسری قسط ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے''۔[۴۸]

جولائی ۱۹۲۱ء کے **مخزن** میں حکیم صاحب کا افسانہ'' گناہ کی رات'' اور ستمبر ۱۹۲۱ء میں'' عورت کی محبت'' چھپا۔حکیم احمد شجاع کے افسانوں کے حوالے سے ڈاکٹر اے بی اشرف لکھتے ہیں:

> '' حکیم احمد شجاع کی کہانیوں میں دو بنیادی رویےّ موجود ہیں۔ایک اصلاحی اور اخلاقی رویہ اور دوسرا رومانی اور تخلیقی رویہ''[۴۹]

اسی لیے'' اندھا دیوتا''، ('' طوفانِ آرزو'' و''محبت کی تلاش'')، رومانی اور مثالی رنگ کا حامل ہے جبکہ '' گناہ کی

رات'' ایک مختصر افسانہ ہے جو فنی لحاظ سے فینٹسی کے قریب ہے۔

حفیظ جالندھری کی وجہ شہرت شاہنامہء اسلام اور ان کی شاعری ہے اور افسانہ ان کی پہچان نہیں ۔اس کے باوجود ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ ہفت پیکر کے عنوان سے چھپا۔ **مخزن** میں حفیظ کے تین افسانے چھپے۔یہ وہ دور تھا جب حفیظ خود **مخزن** کے مدیر تھے۔حفیظ کے افسانوں میں''سہاگ کی رات'' ستمبر ۱۹۲۷ء،''افسانہ در افسانہ'' مارچ ۱۹۲۸ء اور'' آوارگی'' اگست ،ستمبر ۱۹۲۹ء کے شماروں میں چھپے۔ **مخزن** بابت ستمبر ۱۹۲۷ء میں'' سہاگ کی رات'' سے قبل حفیظ کا یہ نوٹ شامل تھا:

> میں نے ہزار داستان (مرحوم) کی ادارت کے زمانے میں چند افسانے لکھے تھے جنھیں دوستوں کے اصرار نے مجموعے کی صورت میں شائع کرا دیا ہے اور کارپردازانِ مخزن بک ایجنسی نے مجبور کیا ہے کہ ان میں سے ایک افسانہ **مخزن** میں بھی درج کیا جائے''۔۵۰

گویا اس سے قبل حفیظ کے افسانے کتابی شکل میں چھپ چکے تھے۔ستمبر ۱۹۲۸ء کے **مخزن** کے صفحہ ۶۴ پر ایک اشتہار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانوی مجموعہ حفیظ کے افسانے کے عنوان سے مخزن بک ایجنسی لاہور نے شائع کیے تھے اور اس میں چھ افسانے شامل تھے۔مزے کی بات ہے کہ سید نواز حسن زیدی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے اور جمیل یوسف نے اپنی کتاب حفیظ جالندھری میں حفیظ کی اس کتاب کا ذکر نہیں کیا جو ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔نواز حسن ہفت پیکر کو حفیظ کے افسانوں کا پہلا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔۵۱ حفیظ کے افسانے اگرچہ ناقدین کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکے لیکن **مخزن** میں چھپے ان کے افسانے جدید خصوصیات کے حامل تھے جن میں وحدتِ تاثر اور اختصار بنیادی وصف تھا جبکہ افسانوں کا پلاٹ بھی مربوط ہے۔

عاشق حسین بٹالوی نے جب افسانہ نگاری کا آغاز کیا تو رومانیت کا دَورِ عروج تقریباً آخری دموں پر تھا۔دوسری طرف ترقی پسند تحریک کا باقاعدہ آغاز بھی نہیں ہوا تھا گویا عاشق بٹالوی کی افسانہ نگاری کا تعلق ایک عبوری دَور سے ہے۔وہ کسی خاص تحریک کے پیروکار نہ تھے بلکہ ان کا اپنا مخصوص اسلوب اور رجحان تھا۔ **مخزن** میں عاشق بٹالوی کے چار افسانے جلوہ گر ہوئے۔

افسانہ کا مواد	اپریل ۱۹۲۸ء
مجروح احساس	اپریل ۱۹۲۹ء
لغزش شباب	مارچ ۱۹۳۰ء
انسانی کمزوری	ستمبر،اکتوبر ۱۹۳۰ء

''افسانہ کا مواد''،'' فریب حُسن'' کے عنوان سے اور''لغزشِ شباب''،''جوانی کی لغزش'' کے عنوان سے بعد میں ان کے افسانوں کے مجموعے سوز نا تمام میں شامل ہوئے۔۵۲ جبکہ'' انسانی کمزوری'' جو ستمبر،اکتوبر ۱۹۳۰ء کے **مخزن** کی زینت بنا تھا ان کے افسانوں کے کسی مجموعے میں شامل نہیں۔افسانے پر ان کا نام آخر میں'' ع ب '' لکھا ہے۔

مخزن میں شامل عاشق کے افسانے ان کے مخصوص طرزِ فکر اور طرز اظہار کی عکاسی کرتے ہیں۔ ''افسانہ کا مواد'' ایک خوبصورت ادبی ذوق رکھنے والے شخص فیاض کی کہانی ہے جس کے ایک مضمون سے متاثر ہو کر ایک حسین لڑکی زلیخا اُسے خط میں ملاقات کی دعوت دیتی ہے۔ جو پہلے محبت اور پھر شادی تک جا پہنچتی ہے لیکن جب فیاض کو چیچک نکلتی ہے اور اس کی شکل بگڑ جاتی ہے تو زلیخا اسے چھوڑ جاتی ہے۔ بعد میں جب فیاض اپنے دوست کے پاس واپس آتا ہے اور ایک تھیٹر میں ڈرامہ دیکھنے جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ زلیخا اصل میں ایک اداکارہ ہے اور اس کا اصل نام نازلی ہے جو درمیان میں دو سال کے لیے ڈرامہ چھوڑ کر غائب ہوگئی تھی اب واپس آگئی ہے۔

اسی طرح ''لغزشِ شباب'' ایک شادی شدہ جوڑے کی کہانی ہے۔ جس میں شوہر کو اچانک اپنی بیوی کی بے وفائی کا علم ہوتا ہے۔ وہ اپنی بیوی پر اس کا اظہار کرتا ہے تو بیوی شرمندگی کے مارے گھر چھوڑ کر اپنے میکے چلی جاتی ہے اور وہاں سے خط لکھ کر شرمندگی کا اظہار کرتی ہے کہ کس طرح شوہر کی مصروفیت اور بے توجہی کی وجہ سے وہ اپنی پرانی محبت کی طرف مائل ہوجاتی ہے۔ خط میں سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمایے:

> ''تم کو تمہاری محبوب لائبریری اور ''ریسرچ'' زبردستی مجھ سے جدا کر کے لے گئے اور میں یادِ ایام کی حسرت کو دل کے ایک کونے میں چھپا کر بے صبری سے تمہارا انتظار کرنے لگی۔ گرمی گزر گئی تم نہ آئے۔ برسات ختم ہوگئی تم نہ آئے۔ جاڑا سارے کا سارا بیت گیا مگر میری آنکھیں تمہاری دید سے محروم رہیں۔ آہ تم نے عواقب سے بے خوف ہو کر ایک کمزور عورت کو جذبات کی ہولناک آزمائش میں ڈال دیا اور پھر خبر نہ لی۔
>
> ۔۔۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ میرا دل کمزور تھا لیکن تم اسے قوی بنا سکتے تھے۔ تمہاری بے رُخی نے تمہیں ایک خط تک لکھنے کی اجازت نہ دی۔ میں تمہاری تحریر دیکھنے کو بے تاب تھی۔ مجھے یقین تھا کہ تمہارے خط میں وہی جادو ہوگا جو تمہاری آنکھوں میں جلوہ فگن ہے۔ تمہارے الفاظ میں وہی قیامت زا گرمی ہوگی جو تمہارے مضبوط بازوؤں میں ہے لیکن تم مابعد الطبیعیات اور علم النفس کے مسائل حل کرنے میں منہمک رہے۔ آہ، تم نے جو نفسیات کے عالم ہو یہ نہ سوچا کہ جوان عورت داعیاتِ شباب کو کتنی جلدی لبیک کہتی ہے؟''۔ ۵۳

''انسانی کمزوری'' میں ایک شادی شدہ آدمی جو نکما، بے کار اور بزدل ہوتا ہے، باوجود کوشش کے اپنے آپ کو مجتمع نہیں کر پاتا۔ اس کی بیوی اور نوکر تک اس کی پروا نہیں کرتے بالآخر وہ یہ ماننے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ وہ بھی ایک پتھر کی مانند ہے جس میں احساسات اور خیال کی قوت نہیں ہوتی۔

عاشق کے ان تینوں افسانوں میں مرد ایک مظلوم اور بے بس جنس اور عورت ظالم، کٹھور اور بے وفا نظر آتی ہے۔ شاید اس میں ان کی اپنی زندگی کا پرتو بھی ہو جو ازدواجی لحاظ سے ناکام تھی۔ ۵۴

''مجروح احساس''، ایک ایسا افسانچہ ہے جس میں قومی تہذیب کی شکستگی اور لاچارگی کے درد کی کسک محسوس ہوتی

ہے۔حمید احمد خاں لکھتے ہیں:

''مجروح احساس'' میں دورِ استفہام و اضطراب کا قنوط افسانے کی پردہ پوشیوں کو بے تابی سے جھٹک کر فوری عریانی سے ہمارے سامنے آجاتا ہے''۔۵۵

عاشق حسین بٹالوی کو بھلے آج کا نقاد فراموش کر بیٹھا ہولیکن عاشق کے افسانے مرد اور عورت کی ازدواجی زندگی اور تعلقات کے تناظر میں نفسیات کا اہم پہلو پیش کرتے ہیں اور **مخزن** نے ایسے افسانوں کے ابلاغ میں موثر کردار ادا کیا۔

مصوّرِ مشرق، عبدالرحمٰن چغتائی کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی ان کی افسانہ نگاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے ہمیشہ عبدالرحمٰن کی افسانہ نگاری کی بڑی شدت سے مخالفت کی تھی کیونکہ مجھے اس کے مبلغ علم کا بخوبی علم تھا۔میرے نزدیک یہ غیر متعلق امور ایک اچھے مصوّر کی صلاحیتوں پر منفی اثر ڈالتے ہیں''۔۵۶

اسی طرح کے خیالات کا اظہار ڈاکٹر انوار احمد نے بھی کیا ہے اور وہ بھی چغتائی کی مصوّرانہ عظمت کے تو قائل ہیں لیکن ان کی ادیبانہ صلاحیتوں سے انکاری ہیں لیکن ڈاکٹر انوار احمد، چغتائی کے ایک افسانے کو اہم گردانتے ہیں: لکھتے ہیں:

''چغتائی کا ایک افسانہ ''مزدور'' کافی اہم ہے،اس میں نہ صرف اس طبقے کی سنگین محرومی کی جھلکیاں ملتی ہیں، بلکہ غیر ملکی حاکموں اور اس نسل کے احساسِ برتری کا جلوہ بھی موجود ہے''۵۷

چغتائی کا یہ افسانہ پہلی مرتبہ **مخزن** کے اگست / ستمبر ۱۹۲۹ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ڈاکٹر انوار احمد کی درج بالا رائے کی روشنی میں اس افسانے سے ایک مثال پیش ہے:

''مزدور نے طلائی سکہ لے کر اپنے ہاتھوں کو اس طرح سے بند کر لیا۔جیسے صدف میں موتی گرے اور وہ پروں کو بند کرلے۔وہ سرتاپا مناجات بنا،انکسار کے اظہار میں معروف تھا''۔

''تھا وہ مزدور،خوشی چھپانے کی طاقت اسے عطا نہ کی گئی تھی صرف دیوانگی کا لطف لینے کی غرض سے شہر کی فصیل کے باہر دور دور،خوشی کا مارا سایہ کی وحشت پر ناچتا جارہا تھا''۔۵۸

اسی طرح چند نام اور بھی ایسے ہیں جن کی پہچان افسانہ نگاری نہیں ہے لیکن ان کے افسانے **مخزن** میں چھپے۔ان میں ایک نام پطرس بخاری کا ہے،جن کا افسانہ ''عشق کی خودکشی'' جون ۱۹۲۱ء میں **مخزن** میں نمودار ہوا۔ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کا افسانہ ''کفش ساز'' اگست ستمبر ۱۹۲۹ء، اور خواجہ منظور حسین کا افسانہ ''پیک گل'' جولائی ۱۹۲۱ء کے **مخزن** میں شائع ہوئے۔

عزیز احمد اردو ادب کا ایک بڑا نام ہے۔ترقی پسند تحریک سے ان کی وابستگی اور اردو فکشن میں ان کا کمالِ فن ان کی پہچان ہے۔عزیز احمد کو عموماً ان کے ناولوں کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے لیکن ان کی افسانہ نگاری کو بھی ناقدین نے نظر انداز نہیں کیا۔عزیز احمد کے پہلے افسانے کے بارے میں ناقدین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری، عزیز احمد کا پہلا افسانہ ''باغبان'' قرار دیتے ہیں۔۵۹ جو مجلّہ **عثمانیہ** جامعہ حیدر آباد دکن کے شمارہ ا، جلد ۴ بابت